دینی مدارس اور جدید علوم...... چند احتیاط طلب پہلو

مدیر کے قلم سے

برصغیر میں دینی مدارس کا جو تاریخی پس منظر ہے، اس کو جاننے کے بعد اس حقیقت میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ یہ مدارس اسلامی علوم کی حفاظت کے لئے دفاعی مورچوں کے طور پر وجود میں آئے تھے، فرنگیوں کے جابرانہ تسلط کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند بندوں کے دل میں دیوبند نامی بستی میں مدرسہ کی بنیاد رکھنے کی بات ڈالی اور آگے چل کر وہ مدرسہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے حق وصداقت، دعوت وعزیمت اور تعلیم وتربیت کا ایک ایسا لازوال حوالہ بن گیا کہ اس کی نہج پر پورے برصغیر میں ''مدارس'' کا ایک جال بچھتا چلا گیا، دینی مدارس کی یہ شکل عالم اسلام اور دنیا کے دوسرے کسی خطے میں موجود نہیں۔

ان مدارس کا سب سے اہم اور بڑا مقصد اسلامی علوم کی حفاظت رہا ہے اور عام مسلمانوں نے اسی مقصد کے پیش نظر علماء اور مدارس پر ہمیشہ اعتماد کر کے ان کے ساتھ ہر طرح تعاون کیا ہے اور اس طرح کیا کہ بیرونی اور اندرونی قوتوں کے دباؤ ڈالنے، ڈرانے، دھمکانے کے باوجود ان کا یہ تعاون نہ صرف یہ کہ جاری رہا بلکہ اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا ہے حالانکہ مدارس کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ میں کبھی کمی نہیں ہوئی، مختلف ادوار میں عوام کے اندر مقبول پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کے اخبارات اور چینل اس مقصد کے لئے خریدے جاتے رہے، ''مدارس اور اس کے ملاؤں'' کو پسماندہ تہذیب کا نشان اور علم بردار قرار دیا گیا اور یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں انڈیلنے کی کوشش کی گئی کہ ترقی کی راہ کا سنگ گراں یہی ''ملا'' ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس تمام تر منفی پروپیگنڈے کے باوجود لوگ جوق در جوق مدارس کا رخ کر رہے ہیں اور ''ملا'' کو پسماندہ تہذیب کا نشان باور کرانے کے باوجود عام مسلمان اسے اپنے دین وتہذیب کا محافظ اور محسن سمجھتا ہے۔

دینی مدارس کا اصل اور اساسی مقصد چونکہ اسلامی علوم کا تحفظ رہا ہے، اس لئے عصری علوم کی طرف یہاں توجہ کم اور ضمنا رہی ہے، یہ مدارس، ایسے رجال کار پیدا کرنے کے لئے بنتے رہے ہیں جو قوم اور نئی نسل کو اسلام کی ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک تمام مراحل طے کرائیں، جن میں قرآن پڑھانا، نماز سکھانا اور دین کی بنیادی باتیں بتلانا بھی شامل ہیں اور قرآن وحدیث اور ان کے متعلقہ علوم سے براہ راست استفادے کی اعلیٰ صلاحیت پیدا کرنا بھی داخل ہے۔

یہ مدارس اپنے اس اساسی مقصد میں کامیاب رہے ہیں اور دین کی ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے رجال کار کی فراہمی کے حوالے سے کبھی بانجھ نہیں ہوئے۔ آج اگر ہمیں بڑی آسانی کے ساتھ قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے لئے جید حافظ وقاری، منبر ومحراب کے لئے امام وخطیب، درس وتدریس کے لئے مدرس ومعلم اور فقہی مسائل کے حل کے لئے مفتی مل جاتا ہے تو یہ ان مدارس کے فعال کردار اور اپنے اساسی مقصد میں کامیابی کا ہی نتیجہ بلکہ کرشمہ ہے اور کوئی بھی ذی شعور شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا۔

اعتراض یا شکایت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان مدارس کو اپنے مخصوص ہدف کے پس منظر میں دیکھنے کی بجائے وسیع تناظر میں دیکھا جائے اور دیکھنے کا یہ تناظر جس قدر وسیع ہوتا ہے اسی قدر اعتراضات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، مثلاً

ہمارے صدر پرویز مشرف صاحب اوران کے ہم خیال طبقہ مدارس کوایک اسلامی ریاست کے مکمل نظام تعلیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو انہیں شکایت پیدا ہوتی ہے کہ یہاں سے جغرافیے کا البیرونی، طب کا ابن سینا، کیمیا کا جابر بن حیان، الجبرا کا خوارزمی کیوں نہیں نکل رہے ہیں۔ ان کی یہ بات درست ہے کہ ایک تعلیم گاہ سے تمام شعبوں کے ماہرین نکلنے چاہئیں لیکن وہ یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ یہ مدارس دفاعی شکل میں اسلامی علوم کے محافظ کے طور پر کام کررہے ہیں اور وہ رجال کار ریاست کے ایک مکمل نظام تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ایک اسلامی فلاحی مملکت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے اور پورے ملک میں یکساں نظام تعلیم کے تحت اسے اس طرح نافذ کیا جائے کہ امیر وغریب اور شاہ وگدا غرضیکہ پوری قوم کی نئی نسل بغیر کسی طبقاتی امتیاز کے اسی ایک نصاب کو پڑھ کر گریجویشن تک پہنچے، اور آگے مختلف شعبوں اور علوم کے ماہرین پیدا کرے، لیکن یہاں تو عالم یہ ہے کہ ایک ہی گلی کے اندر چار اسکول ہیں اور چاروں کا نصاب تعلیم اور معیار الگ ہے، طبقہ اشرافیہ کی تعلیم گاہیں خالص فرنگیانہ فضا میں یوں ڈھلی ہوئی ہیں کہ ان کا نصاب، نظام اور اساتذہ تک درآمد شدہ ہوتے ہیں، اس فاسد اور بکھرے ہوئے نظام تعلیم کے بالمقابل ”دینی مدارس“ اسلامی علوم کے محافظ کے طور پر کام کررہے ہیں اور اس میں وہ بجا طور پر کامیاب ہیں ملک وملت کے وسیع مفاد کے تناظر میں اگر اصلاح کا کام شروع کرنا ہے تو وہ تب ہی ہوسکے گا جب رائج نظام تعلیم کا سارا ڈھانچہ تبدیل کیا جائے اور نئے سرے سے بنیادیں رکھی جائیں۔

یہ قومی اور ملک گیر سطح پر حکومت اور ریاست کے کرنے کا کام تھا جو آج تک نہیں ہوسکا، ہاں بعض جزوی کوششیں ضرور کی گئی ہیں لیکن وہ ناکام ہوئی ہیں، پاکستان میں دو بڑی کوششیں ہوئیں ایک جامعہ عباسیہ، بہاولپور کی شکل میں جسے ریاستی وسائل کی مکمل سرپرستی حاصل تھی لیکن آج دوسری یونیورسٹیوں کی طرح وہ بھی ایک عام اور غیر فعال یونیورسٹی ہے اور اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنے کے حوالے سے اس کا کردار صفر رہا ہے، دوسری کوشش ”ماڈل مدارس“ کی صورت میں ہوئی، ماڈل مدارس کی تجویز جناب محمود احمد غازی صاحب نے چند سال پہلے پیش کی تھی لیکن اسے بھی پذیرائی نہیں ملی یہ اور بات ہے کہ سابقہ کسی کوشش اور تجربہ کے ناکام ہونے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دانش مندی نہیں کہلائے گا کہ آئندہ بھی اس طرح کی کوئی سعی کامیاب نہیں ہوسکتی ہوسکتی ہے اور ضرور ہوسکتی ہے کہ امکانات کی دنیا بڑی وسیع ہے۔

دینی مدارس میں عصری علوم (ریاضی، سائنس، انگلش وغیرہ) مڈل یا میٹرک کی حد تک داخل نصاب ہیں لیکن انہیں یہاں وہ توجہ حاصل نہیں جو عصری تعلیمی اداروں میں ان مضامین کو حاصل ہے۔ بعض مدارس کے صاحب درد علماء اور منتظمین کی تمنا ہے کہ مدارس سے ایسے علماء پیدا ہوں جو قدیم اور جدید دونوں میں ماہر ہوں اور اسی حوالے سے قومی زبان اردو کے علاوہ ان کو بین الاقوامی زبانوں خاص کر انگلش اور عربی پر بھی عبور حاصل ہو، تا کہ وہ مؤثر طریقے سے جدید دنیا میں دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے سکیں اس مقصد کے لئے کئی مدارس میں پیش رفت ہورہی ہے لیکن مشہور ہے ”زبان اپنے ساتھ کلچر لاتی ہے“ انگریزی زبان وتعلیم کے بارے میں شروع ہی سے علماء کی ایک جماعت کو تحفظات رہے ہیں، اور انہیں یہ ناخوشگوار تجربہ ہوا ہے کہ اس سے وابستگی عموماً اسلامی تشخص کو ختم کردیتی ہے یا اس کے بارے میں انسان کو احساس کمتری میں مبتلا کردیتی ہے، مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے برسوں پہلے ”معارف“ کے کسی شمارے میں لکھا تھا:

> ”انگریزی خواں علماء کی ضرورت جیسی روز بروز بڑھ رہی ہے، وہ تو معلوم ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ علماء انگریزی خواں ہونے کے بعد عالم نہیں رہتے“۔

اس لئے دینی مدارس کو جدید وقدیم دونوں میں ماہرین پیدا کرنے کے لئے نصاب اور نظام تعلیم کو مرتب کرتے ہوئے

ج ذیل باتوں کا بڑا خیال رکھنا چاہیے:

☆...... برصغیر میں رائج مغرب کے جدید نظام تعلیم کا سب سے مہلک اور خطرناک اثر یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے تہذیبی ورثے سے متعلق احساس کمتری اور مرعوبیت کا شکار ہو جاتا ہے اور لاشعوری طور پر مغربی کلچر اور تہذیب کی برتری کا احساس اس کے دل و ماغ پر چھا جاتا ہے، ہمارے نزدیک اس وقت ایک مسلمان کے لئے جدید تعلیم کی یہ سب سے بڑی آزمائش ہے، مغرب کی مادی ترقی کون انکار کرسکتا ہے اور اس کی ترقی کے بے ضرر اصولوں کو اختیار کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں لیکن جدید مادی تعلیم سے وابستہ ہونے کے بعد مغرب کی تہذیب، مغرب کی زبان، مغرب کی آزادی کے سامنے مسلمان مرعوب ہی نہیں، مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں، ان تعلیم گاہوں میں جانے کے بعد شکست کا یہ وہ وار ہے جس سے بہت کم لوگ بچتے ہیں، مدارس سے وابستہ بہت سارے لوگ بھی اس زد میں آجاتے ہیں، وہ جدید تقاضوں کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سننے والا ایمان کی ابدی صداقتوں، اسلامی تہذیب کی شاندار روایات اور مسلمانوں کی درخشاں تاریخ کے بارے میں شعور کمتری کا شکار ہو جاتا ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان بچوں کو جدید تعلیم، یقین کامل اور ایمان اور اسلام سے متعلق مکمل احساس برتری کی فضا میں دی جائے، ان کے چھوٹے ذہنوں اور صاف دلوں میں یہ حقیقت نقش کی جائے کہ ایمان سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، ایمان اور اس کے مطابق اعمال صالحہ ہی پر انسانی زندگی کی نجات کا مدار ہے، اور یہی اس کائنات کی سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی سچائی ہے، یہ سائنس، یہ ٹیکنالوجی، یہ کمپیوٹر، یہ جغرافیہ، یہ زبانیں اور یہ فنون مادی ترقی کے لئے بہت کچھ ہونے کے باوجود، اخروی نجات کی نسبت سے کچھ بھی نہیں، ایمان کا یہ سبق انہیں اس طرح یاد کرایا جائے کہ وہ کارگاہ حیات میں اس پر کسی سمجھوتے یا سودے بازی کے لئے تیار ہوں اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی طرح کی مرعوبیت کا شکار ہوں، وہ زندگی کے جس میدان میں جائیں لیکن انہیں اپنے ایمان پر بجا طور پر فخر ہو اور ایمان سے محروم قوموں کو قابل رحم سمجھتا ہو، اگرچہ وہ مادی ترقی کے نقطہ عروج تک کیوں نہ پہنچی ہوں۔

☆...... عصری جدید تعلیم سے وابستگی، بسا اوقات اسلام کی ابدی صداقتوں اور اسلام کے طرز زندگی سے متعلق، انسان کے عقیدے کو متاثر کر دیتی ہے، اخلاص وللّٰہیت، ایثار و ہمدردی، امانت و دیانت، احتیاط و تقویٰ اس طرح کی بے شمار دائمی صداقتیں ہیں جو اسلام میں فوقیت و فضیلت کا واحد معیار ہیں لیکن جدید تعلیم کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں ان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور مادی ترقی کے اوصاف و اسباب کامیابی کا معیار ٹھہرتے ہیں...... اس لیے اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ خیر اور شر اور اعلیٰ و ادنی کا جو معیار اور پیمانہ شریعت نے مقرر کیا ہے اس تعلیم سے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا اثر نہ آنے پائے۔

☆...... ہمارے اکابر نے اس خطے میں اسلام کے لئے جو قربانیاں دی ہیں اور جس نہج پر کام کیا ہے، وہ محتاج تعارف نہیں، لیکن دینی مدارس سے وابستہ بعض افراد جب جدید تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں تو ان کے انداز سے اکابر اور بزرگوں کے کام کی توقیر کی بجائے...... یا اس کو بے فائدہ سمجھتے ہیں اس کی تحقیر کی بو محسوس ہوتی ہے اور اکابر کے مرتب کردہ نصاب اور عام مدارس کے نظام کو وہ اہانت آمیز نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان مدارس کو طوطا چشمی اور زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے بے خبری کا گھسا پٹا طعنہ دہ بھی دینے لگتے ہیں...... قدیم و جدید علوم کے ماہرین پیدا کرنا بے شک وقت کی بڑی ضرورت ہے لیکن اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے اگر اُن بزرگوں، اُن علماء اور اُن مدارس کی حقارت دل میں بیٹھنے لگے جن کے دم سے ظلمت کدہ ہند میں، اسلام کا چراغ روشن رہا تو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے، یہ حقیقت نگاہ سے کبھی اوجھل نہیں رہنی چاہیے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ملک کی کسی یونیورسٹی میں اسلام کے موضوع پر لیکچر دینا، مستشرقین کے شبہات کے جوابات دینا یا جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہنوں کو ان کے اسلوب اور

زبان میں مطمئن کرنا ایک اہم کام اور دینی خدمت ہے، ٹھیک اسی طرح کسی دیہات میں بیٹھ کر مسلمان بچوں کو قرآن اور دین کی بنیادی باتیں سکھانا بھی اہم ہے،......ایک اسلامی اسکالر، پروفیسر، مقالہ نگار کی اہمیت اپنی جگہ ہزار درجہ تسلیم! لیکن اس سے دولت کی فراوانی اور بسا اوقات زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم اس بندۂ خدا کی اہمیت کیونکر کم کی جاسکتی ہے جو موسم کی گرمی اور نرمی کی پروا کیے بغیر، پانچ وقت، مسجد کے میناروں سے اللہ کی کبریائی کی صدائیں بلند کرکے کائنات کی ہستی کو لرزا دیتا ہے......اگر کسی ادارہ کا مقصد، پہلی قسم کی خدمت کے لئے لوگوں کو تیار کرنا ہے تو اس کی افادیت، اسی وقت تک رہے گی جب تک وہ دوسری قسم کی خدمت کے لئے افراد تیار کرنے والے اداروں کے کام کو بھی اہمیت کی نگاہ سے دیکھے۔ دو تین سال قبل ایک عالم دین تشریف لائے تھے، وہ ایک جدید نصاب کا تجربہ کررہے ہیں، ان کا ہدف یہ ہے کہ عربی زبان پر مکمل قادر، اسلامی علوم میں ممتاز صلاحیت کے حامل افراد تیار کیے جائیں، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور دیگر اساتذہ کے سامنے انہوں نے اپنے نصاب کے امتیازات بیان کیے اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اچھی اور اعلیٰ استعداد کے ممتاز علماء تیار ہوں، حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا ''ممتاز اور اچھی استعداد کے حامل علماء کی تیاری اس وقت، امت مسلمہ کی ضرورت ہے اور کچھ ادارے، یہ ذمہ داری سنبھال لیں تو اچھی بات ہے لیکن ہمارے معاشرے کو نچلی سطح اور کم استعداد والے افراد بھی چاہیے، معاشرے کو جہاں زمانے کے حالات سے باخبر ایک فقیہ کی ضرورت ہے، وہاں بچوں کو قرآن سکھانے والے قاری، مسجد میں اذان دینے والے موذن اور دیہاتوں اور گوٹھوں میں نماز پڑھانے والے امام کی بھی ضرورت ہے، معاشرے کی یہ دینی ضرورتیں صرف ممتاز افراد سے پوری نہیں ہوسکتیں اور ایک مکمل فیض رساں ادارہ وہی ہوسکتا ہے جس سے معاشرے کی تمام دینی ضرورتوں کے لیے افراد تیار ہوں''۔

☆......اس سلسلے میں چوتھی گزارش یہ ہے کہ جدید عصری تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لیا جائے، اسے بچوں اور طلبہ پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ محسوس ہو کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اس کے بغیر ممکن نہیں اور اس میں مہارت ہی دونوں جہان کی سعادت کی علامت ہے۔ ایک عالم دین کے لیے اس کی جس قدر اہمیت ہے، اسی قدر وہ بتلائی جائے، اس کی اہمیت میں مبالغے سے بچوں کا ذہن مرعوبیت کے لپیٹ میں آجاتا ہے۔

☆...... آخری گذارش یہ ہے کہ دینی مدارس میں جدید تعلیم کی طرف پیش رفت کرتے ہوئے مدارس کا اصل ہدف اور مقصد نظروں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے، جیسا کہ لکھا گیا کہ مدرسہ کا اصل مقصد اسلامی علوم کی حفاظت ہے، جدید فنون کو داخل کرتے ہوئے اگر اسلام کے علوم آلیہ اور علوم عالیہ کی طرف سے توجہ ہٹتی ہے یا اس میں استعداد کمزور رہتی ہے اور فکر ونظر پر جدید فنون (سائنس، ریاضی، انگریزی اور کمپیوٹر وغیرہ) کا غلبہ اور رجحان رہتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدرسہ اپنے اصل مقصد سے ہٹ گیا ہے اور صرف یہی کہا جاسکے گا کہ۔ آں رہ کہ تو می روی بترکستان است

ہماری ان گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ دینی مدارس میں جدید عصری علوم اور موضوعات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں پیش رفت بھی ہورہی ہے لیکن اس پیش رفت میں ذکر کردہ پانچ باتوں کا خیال رکھا جائے، اول...... یہ کہ طلبہ کے دل ودماغ کو مرعوبیت سے محفوظ رکھنے کا اہتمام ہو، دوم...... اسلام کی دائمی حقیقتوں سے متعلق فکر ونظر میں تبدیلی نہ آنے پائے، سوم...... اکابر اور اسلاف کے کام اور طریقے کی عظمت اور اہمیت برقرار رہے، چہارم...... جدیدیت میں یہ دلچسپی بقدر ضرورت رکھی جائے اور پنجم...... مدرسہ کی محنتوں کا اصل مقصد اور ہدف نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے تب تو یہ پیش رفت مفید اور بارآور بنے گی اور امت کے سامنے اس کے اچھے ثمرات آئیں گے، بصورت دیگر یہ ناکام تجربات کی فہرست طویل کرنے کا ذریعہ بنے گی۔